مملکت ایران میں درپیش ہے۔ وہاں شیعی نقطۂ نظر کی فقہ عمومی قانون کی شکل اختیار کرے گی اور اہل سنت کو پرسنل لا میں آزادی ملے گی۔ نہ یہ کہ وہ عام ملکی قوانین اور فیصلوں میں اپنے لیے الگ حقّہ مانگیں۔ ہمارے برادران تشیع کو پاکستان اور ایران دونوں جگہ اپنی ہی دو مسلم مملکتوں کی حیثیت سے سامنے رکھ کر سوچنا چاہیے کہ دونوں طرف خیر و خوبی سے کام کس طرح چلے گا۔ ایک کا اثر لازماً دوسری جگہ پڑے گا۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ ایران کا معاملہ ایران والے جانیں اہم اپنے ملک کے حالات میں جیسے چاہیں گے کریں گے۔ یہ طرزِ فکر اس لیے صحیح نہیں کہ اسلامی انقلابات اُٹھانے والی تحریکیں ملک ملک میں ایک دوسرے سے الگ تھلگ نہیں ہیں۔ پاکستان اور ایران کی تحریک میں بھی رابطہ ہوا۔ پورے عالم اسلام کو سامنے رکھنا ہے اور اصولی راستے طے کرنے ہیں کہ تمام ملکوں میں اقلیتی فقہوں کے بارے میں کیا روش صحیح ہوگی۔

یہی حقیقت تھی کہ جس کے پیش نظر ۱۹۵۱ء میں مختلف مکاتب فکر کے ۳۱ علماء نے جمع ہو کر اسلامی ریاست کے جو اصول بالاتفاق طے کیے تھے۔ ان کے ضمن میں اختلافی گروہوں کو پرسنل لا میں اپنی فقہ کے تحت فیصلہ حاصل کرنے کا اختیار تھا، مگر ملکی قانون کے تحت سب میں طے ہو گیا تھا کہ وہ اکثریتی فقہ کے مطابق چلیں گے۔ اس موقع پر ------- اس فیصلے کو بدل کر کوئی صحت مندانہ صورت اختیار نہیں کی جا سکتی۔

برادرانِ اہلِ تشیع یہ سوچیں کہ اگر وہ زکوٰۃ فنڈ کو الگ کرالیں، اُن کے وصول و صرف کا نظام الگ طے کرالیں، اسی طرح تعلیمی، نشری، معاشی اور دیگر اداروں اور قومی بجٹ اور ہر شعبے میں یہ چاہیں کہ اُن کا انتظام الگ کر دیا جائے تو وہ دوسروں کے ساتھ کس بات میں مل کر چلیں گے۔

اہلِ تشیع کے وہ علماء اور رہبر شاید تدبر سے پوری طرح کام نہیں لے سکے کہ جنہوں نے اپنے لیے کچھ اس طرح کی علیحدگی پسندی کی ہے جیسی قادیانیوں کو حاصل ہے۔ یہ مقام غیروں کے لیے ہے۔ آپ اپنے ہو کر خواہ مخواہ اس حد تک کیوں جانا چاہتے ہیں۔

اہلِ تشیع کو یہ سوچنا چاہیے کہ وہ اپنے مساویانہ حقوق بھی لیں اور مساویانہ مرتبے پر بھی رہیں۔ مگر کسی حالت میں ایک تو علیحدگی پسندی کے راستے پر نہ پڑیں، اور دوسرے اپنا رویّہ ایسا مزاحمانہ نہ رکھیں کہ ہماری بات مانو ورنہ ہم نفاذِ شریعت کی گاڑی چلنے ہی نہیں دیں گے۔ یہ کوئی مناسب طریقِ کار نہیں ہے۔

سائل سے گذارش ہے کہ اگر ہمارے یہ بھائی حکمت و بصیرت سے کام لے سکیں تو اُن کے حق میں بھی اور ہمارے حق میں بھی بہتر ہو گا، ورنہ یہ فرقہ وارانہ کشاکش اور فقہی انتہا پسندیاں سارے کام کو ناکام کر کے فتح کا سہرا الحاد و دہریت کے سر باندھ دیں گی۔ اور ایسے سانحے تاریخ میں پہلے بھی پیش آتے رہے ہیں۔

۲۔ زندگی میں آج جو خیانت کا طوفان درپیش ہے، اُسے دیکھ کر آپ کی پریشانی درست ہے۔ مگر زکوٰۃ و عشر کا نظام چلانے والی کمیٹیاں اگر دیانت دار افراد سے ترکیب پائیں اور ان میں مقامی ائمہ و خطیب حضرات کے سامنے دیندار اور غیر بدنام افراد کو ملا کر کام چلایا جائے تو ضرورت مندوں کی تشخیص ہو سکتی ہے۔ اور اُن کو مجلس عام میں اور اُن کے گھروں پر جا کر نقد روپیہ یا سامانِ رسد پہنچایا جا سکتا ہے۔

شہروں میں بھی اگر وارڈوں کی زکوٰۃ کمیٹیاں قومی اتحاد کے مشورے سے بنائی جائیں تو بڑی حد تک معاملہ درست ہو سکتا ہے۔

پہلے سے ضرورت مندوں کی فہرستیں اور اُن کی ضروریات کے فارم مرتب ہو کر ڈی سی آفس میں چلے جائیں اور وہاں ضلعی زکوٰۃ کمیٹی کے سامنے تمام رپورٹیں اور فہرستیں اور فارم رکھے جائیں، کمیٹی کے مشورے سے ڈی سی منظوری دے اور ہر ضرورت مند کے لیے کارڈ بن جائے جس پر درج ہو کہ اسے عام مالی امداد دی جائے یا غلّے کی صورت میں، یا بیماری میں اس کے علاج کے لیے اعانت چاہیے یا کسی طالب علم کے لیے کتابیں یا وظیفہ درکار ہے وغیرہ۔ مقررہ وقفوں پر رقوم کی وصولی کے لیے تاریخیں درج ہوں، اور یہ رقم کسی بھی بنک کی شاخ یا کسی بھی ڈاک خانے سے وصول کی جا سکے۔

کمیٹیوں کی طرف سے بالفرض کسی مستحق کو دانستہ یا سہواً چھوڑ دیا گیا ہو تو وہ خود ضلعی کمیٹی کو درخواست دے سکتا ہے تاکہ اس کا معاملہ درست کر دیا جائے۔ گاؤں یا وارڈ کے لوگ تنقید و احتساب بھی کر سکتے ہیں۔

۳۔ میرا خیال ہے کہ نادار مسافروں کے لیے کچھ مدد تو مقامی کمیٹی کی طرف سے ملنی چاہیے، جبکہ انہیں کسی بیماری یا مقدمہ یا کسی اور مجبوری سے سفر کرنا پڑے۔ مسافر کو زادِ راہ مقامی طور پر مل جائے، یا اُسے ریل کا ٹکٹ خرید کر دیا جا سکتا ہے۔

جہاں تک مسافروں کی اجنبی شہروں میں رہائش کا تعلق ہے، جہاں اُن کا کوئی اپنا رشتہ دار نہ ہو تو اُن کے لیے ایسی سرائیں بنوائی جائیں جن میں سادہ بستر دو تین روپے میں ملے اور دن بھر کا سادہ صاف ستھرا کھانا چار یا پانچ روپے میں۔ اس سے زیادہ کوئی بار اُس پر نہ پڑے۔ ایسی رعایت تین دن تک تو عام ہو، کسی خاص صورت میں قیام زیادہ کرنا پڑے تو مقامی زکوٰۃ کمیٹی کا تصدیق نامہ اس کے پاس ہونا چاہیے کہ یہ شخص مستحق ہے اور اسے فلاں کام کے لیے شہر یا قصبے وغیرہ میں رہنا ہے۔

اجرائے زکوٰۃ و عشر کے بعد گداگروں کا سڑکوں پر موجود رہنا واقعی بڑا شرمناک ہے۔

گداگروں کی دو تین قسمیں ہیں۔

ایک قسم تو جائیداد (مکان، زمین وغیرہ) رکھنے والے لوگوں کی ہے۔ وہ اپنی جائیداد پر گذارہ کریں، یا حکومت اپنے اہتمام سے ان کی جائیداد بیچ کر یا جائیداد سے آمدنی حاصل کر کے ان کو محتاج گھروں میں رکھے اور اُن کا مال ہی اُن پر خرچ کرے۔ ایک گداگر جسمانی طور پر معذور قسم کے ہیں۔ اُن کو محتاج گھروں میں رکھ کر زکوٰۃ فنڈ سے اُن کی ضروریات پوری کی جائیں۔ تیسری قسم گداگروں کی وہ ہے جو جائیداد تو نہیں رکھتی مگر مضبوط جسم رکھتی ہے۔ ایسے لوگوں کو محنت مزدوری کے کام دلوائے جائیں یا اُن کو کسی دستی کام کی تربیت دلوائی جائے یا اُن سے کوئی خوانچہ وغیرہ شروع کرایا جائے۔ لیکن یہ لوگ مندرجِ فہرست ہونا چاہئیں تاکہ اگر اپنی جائیدادوں سے، محتاج خانوں سے، کسی دارالعلاج سے، محنت یا ٹریننگ کی کسی جگہ سے یا کسی خوانچہ ریڑھی سے بھاگ جائیں تو پھر اُن کو گرفتار کر کے پہلے بطور سزا جیل میں رکھا جائے، اور پھر انہیں راستے پر ڈالا جا سکے۔

۵۔ یوں تو ہمارے ہاں کے ٹیکس اور مالیات کے پورے ہی نظام کی تجدید کرنی ہوگی لیکن ملازموں اور دماغی کام کرنے والوں سے جو انفرادی ٹیکس لیے جاتے ہیں اُن کا سسٹم بے حد نامعقول ہے۔ نمایاں خرابیاں یہ ہیں:۔

ا۔ مستثنیٰ رقم کی حد قیمتوں اور افراطِ زر کے ساتھ ساتھ بدلتی نہیں بلکہ برسوں جاری رہتی ہے۔

ب۔ بھاری کنبے والے، درمیانی کنبے اور مجرد فرد کو یکساں آمدنیوں میں سے تقریباً یکساں ٹیکس دینا پڑتا ہے۔ یہ بالکل بے تکا معاملہ ہے۔ یعنی آٹھ آدمیوں کا بار اٹھانے والے کو تنہا ایک آدمی کے

مقابلے میں کوئی خاص رعایت حاصل نہیں رہا۔ حالانکہ میرے خیال کے مطابق بڑے کنبے (۶ تا ۱۰ افراد) والے اور درمیانہ کنبے والے (۲ تا ۵ افراد) والے اور مجرد حضرات کے لیے ٹیکس سے مستثنیٰ رقوم بحالات موجودہ علی الترتیب ۳۰ ہزار، ۲۴ ہزار، ۱۸ ہزار سالانہ ہونی چاہییے۔ اسی طرح کوئی شخص اگر اپنا آبائی یا نو تعمیر کردہ مکان رکھتا ہو تو اُسے بھی اتنا ہی ٹیکس دینا ہوتا ہے جتنا مکان کا کرایہ دینے والے کو۔ ستم یہ ہے کہ بعض صورتوں میں کرائے کی رعایت ملتی بھی ہے تو معروف گریڈوں کے ساتھ مقرر شدہ کم شرح سے ملتی ہے۔ مثلاً کسی شخص کو ۶۰ یا ۱۰۰ روپے کرایہ الاؤنس ملا، حالانکہ عملاً لاہور میں ایک کمرے کا مکان دو ڈھائی سو روپے سے کم نہیں ملے گا۔ دو یا تین کمروں کا ہو تو چار یا چھ سو روپے ہیں، اس سے اُوپر آٹھ سو تا بارہ سو روپے سے کم نہیں ملے گا۔ میرا خیال ہے کہ جو کچھ حقیقی کرایہ دیا جا رہا ہے اس کا دستاویزی ثبوت رسیدوں کی شکل میں اگر دیا جائے تو کرایہ کی سالانہ رقم ٹیکس سے مستثنیٰ آمدنی محسوب ہونی چاہییے۔ علاوہ ازیں پڑھے لکھے لوگ جو دماغی کام کرتے ہیں، جیسے اساتذہ، ڈاکٹر، انجینیر، ادیب، صحافی، خطیب وغیرہ، اُن کے ملاقاتیوں کا ایک بڑا حلقہ ہوتا ہے۔ اور وہ اُن کے لیے مناسب جگہ اور ضروری فرنیچر کے علاوہ تواضع کا بندوبست بھی کرتے ہیں۔ اس کا بھی استثنا ہونا چاہییے۔

زندگی کے ان حقیقی مسائل کو اعلیٰ افسران دفتروں میں بیٹھ کر سمجھ نہیں سکتے۔ اور اُن پر نگاہ رکھے بغیر ٹیکس کا عادلانہ نظام وضع نہیں کیا جا سکتا۔

۶۔ فکسڈ ڈیپازٹ یا سرمایہ کاری اداروں میں رقوم رکھوانے والے حضرات کے لیے پریشانی کی کوئی بات نہیں۔ بنک کی جمع شدہ رقوم مختلف نفع آور کاموں میں لگائی جائیں گی۔ اور موجودہ سود کے بجائے، منافع اُن پر جمع ہوتا رہے گا۔ کسی ایک آدھ کام میں خسارہ ہو بھی تو اس کا اثر نہیں پڑے گا۔ آخر رقوم تو پھیلا کر لگائی جائیں گی۔ اور مجموعی طور پہ ساری رقوم کا منافع محسوب ہوگا۔ کیونکہ بنک ہر فرد کی رقوم الگ الگ اس سے معاہدہ کرا کے نہیں لگائے گا، بلکہ اپنے کھاتہ داروں کی حاصل کردہ رقوم کو وہ ملا جلا کر آگے چلائے گا۔ اور حاصل شدہ منافع سب پہ پھیل جائے گا۔

اس منافع میں سے ۲½ فی صدی زکوٰۃ نکالتے رہنے سے کوئی کمی واقع نہ ہوگی، ہاں البتہ کوئی آدمی اب گھر میں کالا دھن چھپا کر رکھے گا تو خسارے میں رہے گا۔